مدیر کے نام

دانش یار، لاہور

'تفہیم القرآن: مقاصد و اہداف' (مئی ۲۰۱۲ء) کے تحت عملی تجویز پیش کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود اُردو زبان کی حیات اس تفسیر کے وجود کی محتاج ہے۔ اس وقت اوّلین ضرورت ہے کہ قوم کو اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے دستور کے آرٹیکل اوّل اور دوم کی اہمیت سے آگاہ کریں۔ نیز قومی زبان سے حکمران طبقے کے مسلسل اعراض سے ہونے والے تہذیبی انحطاط کا عوام کو شعور دلائیں۔ کم از کم اپنے گھروں پر نام کی تختیاں، شادی کے دعوتی کارڈ، ملاقاتی کارڈ، تجارتی فرمیں اپنے کیلنڈر اور ڈائریاں ہی اُردو میں چھپوانا شروع کر دیں۔

نور محمد کھوسہ، ٹھارو شاہ، سندھ

'پارلیمنٹ اور پاکستان کو درپیش چیلنج' (اپریل ۲۰۱۲ء) میں پروفیسر خورشید احمد نے بجا طور پر توجہ دلائی ہے کہ سینیٹ اور ملکی انتخابات متناسب نمایندگی کے تحت ہونے چاہییں۔ حقیقتاً یہی طریق انتخاب قوم کی صحیح نمایندگی کرسکتا ہے۔ اگر ابتدا ہی سے متناسب نمایندگی کا طریقۂ انتخاب ہوتا، تو مشرقی پاکستان ہم سے کسی بھی صورت میں علیحدہ نہ ہوسکتا تھا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی اعداد و شمار کے لحاظ سے عوامی لیگ کے بعد دوسرے نمبر پر بھرپور نمایندگی کر رہی تھی اور مشرقی پاکستان کی مجموعی سیٹوں کے ۴۰ سے ۴۵ فی صد تک سیٹیں حاصل کرسکتی تھی لیکن حلقہ وار الیکشن کے طریقۂ انتخاب کی وجہ سے محبّ وطن افراد کی قوت ظاہر نہ ہوسکی۔ اس طرح علیحدگی پسند عناصر اور بھارت کو کھلا میدان مل گیا اور علیحدگی کا سانحہ ظہور میں آیا۔ ملک میں جس طرح سے عصبیت اور صوبائیت سر اُٹھا رہی ہے متناسب نمایندگی ہی موجودہ پاکستان کے مسائل کا حل ہے۔

ڈاکٹر طاہر فاروق، سعودی عرب

'تحریک اسلامی کا پیغام' (اپریل ۲۰۱۲ء) میں سید مودودیؒ کی فکر کے عالم گیر اثرات کے حوالے سے مغربی مفکرین مثلاً: پروفیسر جان ایل ایسپوزیٹو، مارشل جی ایس ہوڈگن اور گیلس کیپل کی تحریروں سے اقتباس بھی پیش کیے گئے ہیں (ص ۶۴)۔ اگر حوالوں کا اہتمام بھی کیا جاتا تو مزید مطالعے کے لیے سہولت ہوتی۔

دعوتی اشتہار: عالمی ترجمان القرآن میں دعوتی اشتہارات کے تحت قرآن و حدیث، مولانا مودودی کی تحریروں اور تحریکی لٹریچر پر مبنی اقتباسات شائع کیے جاتے ہیں۔ دعوتی اشتہارات کے لیے دیگر افراد اور ادارے بھی اسپانسر کرنا چاہیں تو مینیجر ترجمان سے رابطہ کرسکتے ہیں۔ فون: 042-37587916

(بقیہ: ص ۱۸- اشارات) حاصل ہوسکی ہے جس کا سب سے واضح ثبوت عالمی میڈیا اور آزاد مبصرین کا تقریباً متفق علیہ اعتراف ہے کہ افغانستان میں امریکا جنگ ہار چکا ہے۔ طالبان اس وقت ملک کے ۵۰ سے ۷۰ فی صد پر اصل حکمران ہیں اور کابل میں امریکی، ناٹو اور افغان فوج کے پانچ حصاروں کے باوجود طالبان جب چاہیں قصرِ صدارت ناٹو کے ہیڈکوارٹر اور خود امریکی اور مغربی ممالک کے سفارت خانوں پر حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ خود امریکا میں اس وقت ۶۷ فی صد عوام افغانستان سے امریکی فوجوں کے جلد از جلد انخلا کا مطالبہ کر رہے ہیں اور شکاگو کانفرنس کے ہال کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا، اس کے باہر ہزاروں امریکی جنگ کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے۔ افغانستان اور عراق کی جنگ سے واپس آنے والے فوجی (veterans) اپنے وہ تمغے ندامت کے ساتھ حکومت کو واپس کر رہے تھے جو جنگی خدمات پر ان کو دیے گئے تھے، اور ان کا اعلان بش اور اوباما کی جنگی پالیسیوں کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار ایک عوامی استصواب کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

لندن کے اخبار دی گارڈین کی ۲۱ مئی ۲۰۱۲ء کی اشاعت میں اس کے نمایندے برنارڈ ہارکورٹ کی رپورٹ پڑھنے سے تعلّق رکھتی ہے۔ افغانستان کی جنگ کے ستم زدہ یہ امریکی فوجی کہہ رہے تھے:

> کتنے ہی میڈل، ربن اور جھنڈے کیوں نہ ہوں، جنگ نے جس پیمانے پر انسانوں کو اذیت میں مبتلا کیا ہے، اس کو چھپا نہیں سکتے۔ میرے پاس صرف ایک لفظ ہے اور وہ ہے شرم! یہ افغانستان اور عراق کے عوام کے لیے ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ میں آپ سب کے سامنے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ آج میں اپنا تمغہ واپس کر رہا ہوں، کیونکہ میں اپنی زندگی اپنے ضمیر کے مطابق گزارنا چاہتا ہوں، نہ کہ ایک ضمیر کے مجرم کی طرح۔ میں عراقی اور افغان عوام سے ان کے ممالک کو تباہ کرنے پر ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔

افسوس صد افسوس امریکا کی قیادت اور اس کے شرکاے جرم بشمول قیادتِ پاکستان کے ضمیر میں کوئی چبھن نظر نہیں آتی، بلکہ پاکستان کی قیادت تو روایتی جوتے اور پیاز دونوں ہی کھا رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ امریکا کے گن بھی گائے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر شکیل آفریدی کی گرفتاری اور سزا پر جس طرح امریکا نے ایک قومی مجرم اور پاکستان

کے غدار کا دفاع کیا ہے، اور پاکستان کی معاشی مدد میں تخفیف کا جو طمانچا ہمارے منہ پر رسید کیا ہے، وہ بھی ایک آئینہ ہے جس میں امریکا پاکستان کو جو مقام دیتا ہے، اس کی اصل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح پاکستان پر دوغلی پالیسیوں کا الزام، ۲مئی ۲۰۱۲ء کو افغانستان سے اسٹرے ٹیجک معاہدہ اور اس پورے عمل میں پاکستان کو نظرانداز کرنا، افغانستان میں بھارت کے مشکوک کردار کے بارے میں پاکستان کے تحفظات سے مکمل لاپروائی، حتیٰ کہ طالبان سے گفتگو میں بھی پاکستان کو نظرانداز کرنے کی کھلی کھلی کوششیں، صرف پاکستان اور امریکا میں اعتماد کی کمی (trust deficit) ہی کا مظہر نہیں بلکہ اس پورے علاقے اور اس کے مستقبل کے بارے میں دونوں کے وژن اور نقشۂ کار میں بُعد المشرقین کی گواہی دیتے ہیں۔ امریکا جس طرح پاکستان پر معاشی، سیاسی اور عسکری دباؤ ڈال رہا ہے، اس کے بعد اسے دوست ملک سمجھ کر معاملہ کرنا اپنے پاؤں پر کلھاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

شکاگو کانفرنس: ایک کھیل

پاکستان کی تحقیر و تذلیل اور خود زرداری صاحب کو ان کی اوقات دکھانے کے لیے جو کچھ امریکا اور ناٹو کے سیکرٹری جنرل نے شکاگو کانفرنس میں کیا وہ بھی ایک درسِ عبرت ہے جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

جس طرح پیپلزپارٹی نے اقتدار میں آنے سے پہلے برطانیہ، امریکا اور متحدہ امارات کے ذریعے جنرل پرویز مشرف سے معاملہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح شکاگو کانفرنس سے پہلے برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون کے توسط سے اپنے اقتدار کو طول دینے اور امریکا سے معاملات طے کرنے کے لیے ایک کھیل (gimmick) کھیلا گیا۔ زرداری صاحب اور ان کے وزرا کے بیانات جن کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں وہ اس کھیل کا حصّہ بلکہ تمہید تھے۔ ناٹو کے سیکرٹری جنرل اور امریکی قیادت نے سارا دباؤ اس امر پر ڈالا کہ افغانستان کے مسئلے کے حل، 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے مستقبل اور علاقے کے بارے میں علاقے کے ممالک کے مشورے سے سلامتی کے معاملات پر غوروفکر کو مؤخر کرکے صرف ناٹو کی سپلائی روٹس کی بحالی کے مسئلے پر توجہ مرکوز کی جائے اور اسے محض ڈالروں کے بارے میں مسودہ کاری کا مسئلہ بنالیا جائے۔